AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

بیت المقدس کے اسماء و فضائل: تاریخی، دینی اور تہذیبی تناظر میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

The Names and Virtues of Bayt al-Maqdis: A Historical, Religious, and Civilizational Analytical Study

Dr. Muhammad Bilal
Lecturer, department of Islamic studies, University of education Lahore, jauharabad campus
Email: muhammad.bilal@ue.edu.pk
Dr Hafiz Abdul Majeed
Assistant Professor, Department of Islamic studies & Arabic, Gomal University D.I.Khan, Email: drham1973@gmail.com
Mr. Muhammad Waqar Khizer
visiting Lecturer University of education Jauharabad campus
Email: waqarjarar8@gmail.com

Abstract

Names and Significance of Bayt al-Maqdis in Historical Context, examines the religious importance of the region of Palestine and the city of Bayt al-Maqdis (Jerusalem) through a historical and etymological analysis of its various names. The study's primary objective is to investigate the factors that contribute to the sanctity of the land and to trace the origins, meanings, and evolution of the city's names as documented in religious and historical texts.

The methodology involves a comprehensive review of sources, including the Quran, Hadith, Old and New Testaments, and scholarly works. The article argues that the land's blessed status is a divinely ordained attribute, primarily due to its central role in the history of numerous Prophets. A key finding is the progression of the city's names, starting with its oldest known name, Yabus (Jebus), derived from its initial inhabitants. The study further traces the evolution through names such as Madinah Dawud (City of David), Sihyon (Zion), Shalim, and the widely recognized Urshalim (Jerusalem). The research also details the influence of occupying powers, such as the Romans, who renamed the city Ilia Capitolina, which later became Ilia. The paper concludes

that these names are not merely historical identifiers but are deeply intertwined with the city's religious and historical significance across the three Abrahamic faiths, reflecting its enduring status as a spiritual focal point. The term "Bayt al-Maqdis" is identified as a revered title for Masjid al-Aqsa that eventually came to be used for the entire city.

Keywords: Bayt al-Maqdis, Jerusalem, Palestine, Historical Names, Masjid al-Aqsa, Yabus, Zion, Urshalim, Holy Land, Quranic Exegesis.

دنیا کے بعض خطوں کی دینی اہمیت ایک مسلمہ امر ہے، اللہ پاک نے بعض قطعات ارضی کو خود معیار فضیلت بخشی ہے۔ اکثر اذہان متجسس رہتے ہیں کہ ایک خطہ کے کئی کئی اسماء آخر کیسے وجود میں آگئے، یہ ایک دلچسپ جغرافیائی و تاریخی بحث ہے۔ اس سوال کا مستند جواب مذہبی کتب سے ملنا ایک ممکن العمل شے ہے، اس کا اطلاق اگر ارض فلسطین پر کیا جائے تو کافی مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔ دراصل سرزمین فلسطین میں انبیاءؑ کی کثرت اس کی وجہ تقدیس کا باعث بنی، حتیٰ کہ آج بھی اس پاک قطعہ ارضی نے اجساد انبیاءؑ کو اپنے دامن میں سمو کر شرف پار کھا ہے۔ اسما بلدان عام طور پر اقوام کو مشہور نسبتوں کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، پھر ایک بڑا دخل ارتقاء زمانی بھی ہے، جو اقوام و ملل کے تاریخی بقاء و فنا کے ساتھ بدل جاتے ہیں، غالب قومیں اپنے نام کو دوام جب کے مغلوب اقوام قرطاس تاریخ میں معدوم و مفقود ہو جاتی ہیں۔ البتہ اسماء روحانیہ جو خود منشا ایزدی نے مقرر فرمائے، ان پر کسی طوفان وقت کا اثر نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ اقصیٰ کی سرزمین کے ساتھ ہے جہاں پر مقامات مقدسہ نے اس سرزمین کو ایک خوبصورت روحانی اسمی تعارف بخش دیا۔

عہد نامہ قدیم و جدید میں جس سرزمین کو مقدس کہا گیا قرآن مجید میں بھی اُسے (ملک شام) ارض مقدس سے یاد کیا گیا۔ آخر کونسی وہ خاص نسبت ہے؟ جس کی وجہ ارض فلسطین کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ توریت اسے ارض موعودہ کا نام دیتی ہے جس میں حضرت ابراہیم[1] اپھر حضرت یعقوب نیز حضرت موسی سے خداوند وعدہ فرمایا گیا کہ یہ مقدس سرزمین انہی کی اولاد کو عطاء کی جائے گی۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ سے کیا گیا وعدہ مذکور ہے:

يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ[2]

پس معلوم ہوا کہ ملک فلسطین ایک متبرک و مقدس سرزمین کا مالک ہے اس کی وجہ تقدیس کیا ہے؟ اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابراہیم جو اقوام کے باپ ہیں ان سے اللہ تعالی نے دو نبوی مراکز تعمیر کرائے اول بیت اللہ شریف جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے دوم فلسطین میں بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) شریف ۔ دراصل ابراہیم کی نسل دو حصوں میں بٹ گئی حضرت اسماعیلؑاو حضرت ہاجرہؓ کی حجاز کی طرف ہجرت بلاشبہ حکمت سے خالی نہ تھی ، بلکہ اس بے آب و گیاہ سرزمین کا سراپنی پشت میں نبوت کی برکات لیے قوموں کی تقدیر بدلنے کا پیش خیمہ تھا، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اِسحاقؑ کی نسل ملک کنعان جسے فلسطین کہتے ہیں میں آباد ہوئی۔ جبکہ ابراہیمؑ کا شجرہ نسب حجاز میں حضرت سیدنا اسماعیل کے ذریعہ سے پھیلا اس سے حضرت ابراہیم کو جد امجد کا لقب دیا جاتا ہے۔

---

1. پیدائش، ۱۵:۲-۲۱،
2. پیدائش: ۳۲:۲۴:۳۱
3. المائدہ ۵:۲۰۲۱

ارض مقدسہ کو کیا کیا تبرک حاصل ہیں؟ قرآن و سنت ان مضامین سے بھر پور ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالی نے متعدد مقامات پر اس سرزمین کو مقدس فرمایا۔

مثلا حضرت ابراہیم و حضرت لوط کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَٰهُمُ الْأَخْسَرِينَ ، وَ نَجَّيْنَٰهُ وَلُوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَلَمِينَ[3]

ترجمہ: "گو انہوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنادیا اور ہم نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دے کر اس سرزمین پر پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔ علامہ ابن جریر طبری اس بابرکت سرزمین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

هي ارض الشام..... وانما اخترنا ما اختر نامن القول في ذلك لانه لا خلاف بين جميع اهل العلم ان هجرة ابراهيم من العراق كانت الى الشام.[4] -

مفہوم : اس بابرکت زمین سے مراد شام کی سرزمین ہے اور ہم نے اس کی یہ تفسیر اس لیے کی ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عراق سے شام ہی کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، جہاں آپ نے زندگی کے باقی ایام گزار دیئے ۔ ایک اور مقام پر حضرت سلیمان کا ذکر کرتے ہوئے ارض مقدسہ کی تبریک کو یوں اُجاگر فرمایا:

وَ لِسُلَيْمَنَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا.[5]

ترجمہ: ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمانؑ کے تابع کر دیا جو ان کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔

ابن جریرؒ اس آیت کریمہ کی یوں تفسیر فرماتے ہیں:

يقول: تجرى الريح بامر سليمان الى الأرض التي باركنا فيها يعنى الى الشام، وذلك انما كانت تجرى بسليمان و اصحابه الى حيث شاء سليمان، لم تعود به الى منزله بالشام.[6].

مفہوم یہ کہ "اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہوا حضرت سلیمانؑ کے حکم پر بابرکت سرزمین یعنی شام کی طرف چلتی تھی اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمانؑ اور ان کے ساتھیوں کو، جہاں حضرت سلیمانؑ چاہتے لے جاتی تھی اور پھر انہیں ان کے گھر شام میں واپس لے آتی تھی"۔

الغرض حضرت سلیمانؑ کا فلسطین سے تعلق متفق علیہ ہے۔ ان دو مذکورہ مثالوں کے علاوہ بھی کئی مقامات پر قرآن مقدس نے ارض مقدس [7]ہے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کتب احادیث میں بھی کثرت سے ملک شام کے فضائل بیان ہوئے ہیں البتہ تفصیل میں جانا مقصود نہیں ۔

---

4. الانبیاء، ۲۱: ۷۰-۷۱
5. طبری، ابن جریر، أبو جعفر، الجامع البیان ۱۷، دار المعارف مصر، س ن /، ۴۷۰۴۶-
6. الانبیاء -۲۱/۸۱-
7. تفسير الطبري، ۱۷/۵۵

چنانچہ ارض مقدس کی وجہ تقدیس و تبریک آخر کیا ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب کئی تفصیلات پر مبنی ہو سکتا ہے لیکن مقصود پہلو پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ارض مقدسہ کا جغرافیہ وسیع ہے یہ نیل سے فرات تک کا علاقہ گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن قابل غور وہ مرکزی نقطہ ہے جو اس سرزمین کی تقدیس کو مرکزیت فراہم کیے ہوئے ہے، وہ مرکزی نقطہ کیا ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے، نیز اس کا تعارف کے ساتھ ساتھ تین بڑے مذاہب بالترتیب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے ہاں اس مرکزی مقام(central point) کی اہمیت کیا ہے؟

ان سوالات کو بالترتیب حل کرنا شروع کیا جائے تو ایک مختصر پس منظر وضاحت کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ویسے تو ارض مقدس مکمل قابل تعظیم و تشریف ہے جیسے جن جن مقامات کو کسی نہ کسی طرح برکات حاصل ہیں وہ انہیں باقی خطہ ارض سے ممتاز بنائے ہوئے ہیں، مثلاً اگر حبرون (Hebron) جسے الخلیل بھی کہا جاتا ہے دیکھیں تو یہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت سے انتہائی تقدیس کا حامل شہر ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی نسبت سے بیت اللحم کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔یہ حرمت و عظمت اپنی جگہ بجا لیکن مرکزی نوعیت کی بہر کیف ہیں۔اگر اسلام کے ہاں ان دیگر مقامات کی تقدیسی اہمیت کو دیکھا جائے تو بلا شبہ دین اسلام تمام انبیاء اور ان کے متعلقات کی تعظیم کا داعی ہے لیکن ان مقامات کو اس مرکزی مقام کے مساوی بہر کیف نہیں تسلیم کرتا ہے۔

وہ مرکزی مقام کیا ہے، اس کا تفصیلی تعارف پیش خدمت ہے:

تعارف بیت المقدس:

یہ واضح رہے کہ بعض دفعہ کسی مقام کی وجہ شہرت دراصل اس مقام کے موضع یعنی جس شہر میں وہ واقع ہے کے لیے بھی موسوم ہو جاتی ہے جیسے مکہ شریف میں واقع خانہ کعبہ کا لقب "حرم اس قدر پھیلا کہ پورے مکہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

بعینہٖ فلسطین کے سب سے بڑے شہر میں موجود تاریخی مقدس مقام جسے اہل سلام کے ہاں بالخصوص عظیم مرتبت حاصل ہے اس کا لقب جسے مسلمان بیت المقدس کے نام سے جانتے ہیں اس کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا اور یوں شہر بیت المقدس یا القدس کے نام سے مشہور ہوا۔شہر کا نام کیا تھا ؟ کن کن تبدیلیوں سے یہ گزرا؟ یہ بحث بعد میں آئے گی اول الذکر بیت المقدس کی وجہ تسمیہ اور اس کا شہر پر اطلاق ہے۔

بیت المقدس مسجد اقصیٰ کا لقب :

بیت کے معنی گھر کے ہیں جبکہ المقدس "پاک" کے معنی میں مستعمل ہے۔یقینا اگر قیاس کیا جائے تو بیت اللہ کی اصطلاح جیسے ایک مقدس مقام (خانہ کعبہ) سے متصف ہے، اسی طرح مسجد اقصیٰ جسے قرآن مجید نے یہ نام دیا یقینا یہ بھی جلوہ خداوندی کا مظہر ہے اس لیے بیت المقدس کی اصطلاح دراصل مسجد اقصی کے لقب کے طور پر مستعمل ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اس پر یوں رقمطراز ہیں:

8. سبا: ۱۸/۳۴۔

"اسی بناء پر ان دونوں مقاموں کو خانہ خدا کہا گیا ہے ایک کا لقب بیت اللہ اور ایک کا بیت المقدس، جو بیت القدوس ہونے کے ہم معنی ہے۔ اللہ اور قدوس دونوں اللہ تعالی ہی کے نام ہیں۔ بالفاظ دیگر خدا کا گھر ہونے میں بھی دونوں مقامات باہم مطابقت لیے ہوئے ہیں اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام یکسانیاں اور دونوں کا بیت اللہ ہونا اس کی واضح دلیل ہے کہ اقصیٰ میں ضرور کوئی جلوہ خداوندی موجود ہے اور یقیناً کوئی تجلی الہیٰ اس طرح اس میں رونق افروز ہے جس طرح کعبہ میں ہے اس لیے دونوں کو تجلی گاہ خداوندی ہی کہا جائے گا" [8].

قاری محمد طیب کی بیان کردہ وجہ سے انکار ممکن نہیں البتہ اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات خارج از امکان نہیں، بلاشبہ شہر بیت المقدس میں مسجد اقصی سے زیادہ متبرک مقام کوئی نہیں لیکن شہر میں موجود کئی اور مقامات مقدسہ اس کی وجہ تسمیہ میں احتمال پیدا کرتے ہیں۔راقم الحروف کی رائے میں یہ نام دراصل ایک ارتقاء کی صورت میں پڑا اس کی تبدیلی کے محرکات میں نہ صرف مقامات مقدسہ کو عمل دخل ہے بلکہ شہر کے باسیوں کی قومی زبانیں بھی ہیں۔حدیث پاک میں یہ اصطلاح مکمل شہر کے لیے بھی بولی

گئی ، ارشاد ہوا:

بيت المقدس ارض المحشر والمنشر...[9]

ترجمہ: "بیت المقدس وہ سرزمین ہے جہاں روز قیامت) لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور وہیں سے وہ حساب کے لیے) منتشر ہوں گے"۔

گویا شہر کا نام پڑ گیا بلکہ حدیث میں تو واضح الفاظ اُسے زمین کہا گیا، یعنی مقدس مقام نہیں۔

اس طرح اس اصطلاح کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ قاری محمد طیبؒ کے موقف کی تائید مولانا عبدالحق حقانیؒ نے بھی فرمائی ہے [10].

سوال اُٹھتا ہے کہ اس لقب کے اطلاق سے قبل شہر کن کن ناموں سے موسوم رہا نیز اب بھی یہ نام (بیت المقدس یہود و نصاری کے ہاں قابل قبول نہیں وہ اسے کیا نام دیتے ہیں؟

شہر کے تاریخی نام، وجہ تسمیہ:

تاریخ بتاتی ہے کہ شہر کئی ایک ناموں سے موسوم رہا جن کے تفصیل کچھ یوں ہے:

1۔یبوس(Jebus) :

شہر کے مختلف نام مروج رہے, ان ناموں کی وجہ تسمیہ میں زیادہ کا تعلق قبائلی نسبت سے تھا، چنانچہ توریت بتاتی ہے کہ یبوسی سرزمین فلسطین کے اولین باشندے ہیں جو کنعانیوں کی ایک شاخ ہیں۔شہر بیت المقدس کو ماضی میں یبوپس بھی کہا جاتا تھا۔

---

9. محمد طیب، قاری، مقامات مقدسہ اور اسلام کا، اجتماعی نظام، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، نومبر 1999م۔

10. صحیح جامع الصغیر، ح: ۳۷۲

11. عبد الحق حقانی، فتح المنان، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، لاہور س ن۵ / ۴۹۔

یہ نام دراصل کنعانیوں کا رکھا ہوا ہے توریت میں جگہ جگہ کنعانیوں کا ذکر موجود ہے۔منشی عبد القدیر اس کی وجہ تسمیہ کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"اس کے معنی " گاہا ہوا فرش" کے ہیں۔یہ یبوسیوں کا شہر تھا۔اسے یبوسی Jebusi " بھی کہتے ہیں۔بعض انا جیل میں یبوس اور بعض میں یبیس کا تلفظ استعمال کیا گیا ہے۔یہ نام اس وقت تھا جب حضرت ابراہیم عراق سے ہجرت کر کے کنعان (فلسطین) تشریف لائے تھے"۔[11]

محسوس ہوتا ہے کہ انسانی فطرت نے اسے یہ نام دیا ہے عام دیکھنے میں آیا ہے کہ کثیر التعداد قبائل یا فکری اعتبار سے تعداد میں زیادتی ان علاقوں کی وجہ تسمیہ بن جاتی ہے-بریگیڈئیر برکت مسیح شہر یبوس پر یوں تبصرہ رقم کرتے ہیں :

"یروشلم کا ابتدائی نام یبوس ہے جو بعد میں یروشلم ہوا اس کو بیت المقدس (بالتشدید دال) یا بیت المقدس (بلا تشدید دال) کہتے ہیں "۔[12]

اس میں کلام نہیں کہ یہ شہر کا سب سے قدیم نام ہے۔ممتاز لیاقت اس پر یوں رقمطراز ہیں:

"بیت المقدس کے کئی نام ہیں۔مختلف قوموں نے اپنے اپنے عقیدے کی بناء پر اسے مختلف ناموں سے نوازا۔یہوی اور عیسائی آج بھی اسے یروشلم کہتے ہیں۔سب سے پرانا نام یبوس ہے "۔[13]

چنانچہ تورات میں اس شہر کا قدیم نام یبوس ہی بیان ہوا ہے۔

مثلاً عبارات ملاحظہ ہوں۔

"مگر وہ آدمی رات رہنے کے لیے راضی نہ ہوا بلکہ اُٹھا اور چل پڑا، اور یبوس یعنی یروشلم کے مقابل پہنچا[14]"

دوسری روایت میں یوں آیا ہے:

"اور داؤد اور اس کے تمام ہمراہی یروشلم کو گئے جس کا نام ی یبوس تھا، جہاں کہ یبوسی ملک کے باشندے تھے "۔[15]

کتب تاریخ میں بالخصوص بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، دراصل قدیم دور میں یبوس ایک[16] سے چھوٹا سا شہر تھا جو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ترقی کرتے کرتے بہت ہی پھیل گیا، اس شہر کی وجہ تسمیہ دراصل شہر میں موجود کثیر العدد یبوسی قبائل سے تھی، اس شہر کی بناوٹ (Formation) ایک قلعہ کی مانند تھی، جس پر یبوسیوں کو بڑا ناز تھا، داؤد

---

12. عبد القدیر، منشی،بیت المقدس،حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی،انڈیا،س ن۔
13. برکت مسیح، یروشلم ، فاطمہ پرنٹنگ پریس ٹمپل روڈ ، لاہور، ۲۰۰۸ء ، ص ۸۔
14. ممتاز لیاقت، تاریخ بیت المقدس، سنگ میل پبلشرز ، لاہور، ۲۰۲۲ ، ص ۲۱۔
15. قضاۃ ۱۹:۱۰۔
16. ا خبار ۱۱:۴۔
17. تکوین ۱۰:۶ -

نے ۹۹٦ ق م اس کو فتح کیا تسخیر شہر کے بعد داوٗد نے اس شہر کے ارد گرد فصیل قائم کر دی ، اب شہر کا پرانا نام منسوخ (Expire) ہو چکا تھا۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ بیت المقدس کا سب سے پرانا نام "یبوس "تھا جو کہ وہاں کی جری قوم یبوس سے موسوم تھا۔

۲- مدینہ داوٗد:

تو رات اس فتح کے بعد اس شہر کو مدینہ داوٗد کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کیا یہ نام داوٗد نے خود رکھا تھا ؟ عبارت ملاحظہ ہو۔ "اور داوٗد نے قلعہ میں قیام کیا اور اس کا نام داوٗد کا شہر رکھا اور داوٗد نے ملو کے کے گردا گرد سے اندر تک گھر بنائے۔"[17]

دوسری عبارت میں اسے یوں بیان کیا گیا۔

"اور داوٗ د قلعہ میں رہنے لگا اور اس سبب سے اس کا نام داوٗد کا شہر ہوا اور اس نے اس کے گرد شہر بنایا" .[18]

داوٗد کی نسبت اس شہر کی طرف ہونا تو فطری عمل محسوس ہوتا ہے البتہ داوٗد کا شہر کا نام خود اپنے نام رکھنا یہ بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے چونکہ نبوی عجز کا تقاضا ہے کہ ایسی نسبت سے اجتناب کیا جائے اور تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء ایسے شوخیانہ مزاج سے پاک ہوتے ہیں، شیخ عطار احمد عبدالغفور اس کی یوں نفی کرتے ہیں:

ومدينة داود كما ورد في صموئيل الثاني ٥/٧ هي مدينة داود...... ويظهران الملك داود عليه السلام لم يضع للمدينة اسماً فدعيت مدينة داؤد نسبة اليه ...[19]

مفہوم یہ کہ سموئیل دوم ۵ /۷میں بیان کردہ یہ" شہر داوٗد" ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ داوٗد نے یہ نام قطعا نہ رکھا ہو گا بلکہ داوٗد کی نسبت سے اس شہر کو شہر داوٗد پکارا جانے لگا ہو گا۔ یہ بات عقلاً بھی راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بڑی شخصیات کی طرف ایسی نسبتوں کا ہونا مشاہدہ میں ہے، البتہ کسی بڑی ہستی کا ایسی نسبت خود اختراع کرنا عجب اور خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ ایک وقت میں بیت المقدس کا نام حضرت داوٗد کی نسبت سے شہر داوٗ د بھی پڑ گیا تھا۔

3۔ صیہون:

بیت المقدس عہد نامہ قدیم و جدید دونوں میں "صیہون" سے بھی پکارا گیا۔پرانے عہد نامے میں اسے سو سے زیادہ دفعہ صیہون کے نام سے یاد کیا گیا زبور کی کتاب اور یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں کئی بار استعمال ہوا، نئے عہد نامہ میں بھی اس شہر کو صیہون کے نام سے ظاہر کیا گیا یوں عہد نامہ ہائے قدیم و جدید میں اسے ان ناموں سے پکارا گیا۔

مثلاً "خداوند کا شہر "اسرائیل کے قدوس کا صیہون، خداوند کا پہاڑ ، لشکروں کے خداوند کا پہاڑ " خداوند کے گھر کا پہاڑ"، کوہ صیہون "مقدس مسکن ،" "پیاری اور سہاگن سرزمین" ،" خداوند کی قربان گاہ "، "یہواوہ کا پہاڑ "وادی روما'" صیہون دراصل اس

---

18. سموئیل ۵:۹۔

19. ا اخبار ۱۱: ۸۔

20. عطار، احمد عبدالغفور،ابن سعود وقضیہ فلسطین، مکۃالمکرمۃ1984م۔

شہر میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے، یہود کا عقیدہ ہے کہ حضرت داؤد نے شہر فتح کرنے کے بعد اس پہاڑ پر جشن بنایا تھا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ تحریک صیہونیت جو قیام اسرائیل کے مشن کو لے کر اٹھی تھی دراصل اس صیہون کی نسبت سے قائم ہوئی)۔

چنانچہ کتاب اشعیاہ ہمیں اس کا ذکر یوں کیا گیا:

"صیہون کی خاطر میں چپ نہ رہوں گا اور یروشلم کی خاطر میں آرام نہ کروں گا جب تک اس کی راستبازی نور کی طرح نہ نکلے اور اس کی نجات روشن چراغ کی مانند نہ ہو سکے"[20]۔ عیسائی بھی اس نام سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسی کے بیت المقدس میں داخلے کی جو منظر کشی انجیل میں کی گئی ہے اس میں اس کو صیہون کی بیٹی سے مشابہت دی گئی ہے، متی کی انجیل میں ہے۔

"بیٹی صیہون سے کہو کہ دیکھو تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ حلیم ہے اور گدھے پر سوار ہے یعنی بچے بلکہ لدو بچے پر"۔[21]

انجیل یوحنا میں ہے۔

"اے صیہون کی بیٹی نہ ڈر دیکھ گدھی کے بچے پر سوار ہو کر تیرا بادشاہ آتا ہے"۔[22]

پس واضح ہوا کہ بیت المقدس کے ناموں میں ایک نام صیہون کا بھی ہے جس کا تلفظ بائبل میں "صیہون" ہے۔

اور یہ اس مقدس پہاڑ کی نسبت سے مروج ہوا تھا جس پہاڑ کو حضرت داؤدؑ سے نسبت حاصل تھی۔

4۔شالیم:

بیت المقدس کے مروج ناموں میں سب سے زیادہ مشہور نام "یروشلم" ہے یہ لفظ "یروشلم" کیسے وجود میں آیا اس میں بہت زیادہ کلام ہے، البتہ راقم الحروف کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ تدریجی مراحل طے کرتے کرتے اس نام تک پہنچا۔

لفظ "سلم" کے عربی میں معانی صلح، امن، آسودگی کے ہیں، ایک وقت شہر کا یہ نام بھی مروج رہا ہے کیونکہ تل العمارنہ کی کھدائیوں میں جو تختیاں ملی ہیں اس میں یہ نام بھی درج ہے، اس کے بارے میں یہودی و عیسائی علماء میں شدید اختلاف ہے۔

البتہ کئی وقیع آراء اس بارے میں ملتی ہیں۔

1۔یہودی مفسرین تورات جو لفظ سلم سلیم، سالم اور سایم سے یروشلم مراد لیتے ہیں، وہ صرف اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ یروشلم کو کتاب زبور میں سلم کے لفظ سے خطاب کیا گیا اور تقریباً تمام یہودی مفسر اسی پر متفق ہیں۔

2۔دوسرا لفظ سالم ہے جس کے معانی بھی امن و سلامتی کے ہیں۔

3۔تیسری رائے یہ بھی ہے کہ یہ دراصل اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت یحییٰ (یوحنا) کو بپتسمہ دیا گیا ہے۔[23]

---

21. اشعیاہ ۶۲:۱ -
22. متی ۲۱:۵
23. یوحنا، ۱۲:۵
24. عیسائی رسم اصطباغ

4۔شالیم کنعانیوں کا ایک قدیم دیوتا تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی اس لیے یبوس سے قبل اس شہر کو دیوتا کے نام سے موسوم کیا گیا یہ دیوتا امن اور سلامتی کا تھا تورات میں ہے۔

"اور ملکی صادق شالیم کا بادشاہ روٹی اور مے نکال لایا کیونکہ وہ خداوند کا کاہن تھا۔[24]

یوسف مسیح یاد کے بقول یہی بات راجح ہے کہ شہر کا نام شالیم یا سالم اس کنعانی دیوتا کے اعزاز[25] میں رکھا گیا۔

اور حضرت ابراہیم اور ملکی صادق کے درمیان دوستانہ تعلقات کا ذکر ہی اسی شہر شالیم کی نسبت ہوا۔

شیخ عطار اس پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

"واول اسم عرفت به المدينة هو "شاليم واذا كان غير معروف على التحقيق تاريخ نشاتها فان نشاتها عربية محض ابوك اموری و امك حتيه وفى تفسير شاليم اقوال، منها السلام، وهذا التفسير بولس رسول المسيحين، في رسالة الى العبرانين، اذ يقول لان ملكي صادق هذا ملك ساليم كاهن الله الذي استقبل ابراهيم راجعاً من كسرة الملوك و باركه ...... ويقول فرد يناد توتل (Friandtotal) في كتابه "المنجد في الادب والعلوم حرف الميم ملكى صادق ملك ساليم او اور شلم ..."[26] -

مفہوم عبارت یہ ہے کہ اس شہر کا پہلے پہل نام شالیم پڑا جو کہ تحقیقاً غیر معروف ہے، یعنی اس نام کی نشات کب ہوئی پس یہ اس وقت جب وہاں صرف عرب آباد تھے اور وہ دو اقوام اموری اور حتی کی اولاد تھے۔شالیم کے معانی کی تعین میں ایک معنی سلامتی کا بھی ہے۔جب کہا گیا کہ ملکی صادق یہ شالیم کا بادشاہ اور خداوند کا کاہن تھا، جس نے حضرت ابراہیم کو خوش آمدید کہا۔ جبکہ فرینڈ ٹوٹل اپنی کتاب "Dictionary of Literature and Knowledge" میں صرف میم کے ضمن میں ملکی صادق کو سالیم کا بادشاہ قرار دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بیت المقدس کا ایک قدیم نام شالیم بھی رہا ہے۔

یروشلم :

سب سے زیادہ مستعمل نام یروشلم ہے جو اپنی قدامت کے باوجود ہر دور میں زندہ رہا ہے۔اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر ولیم سمتھ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

"On the Derivation and significance of the name considerable different exists among the authorities. The Rabbis state the name shalem was bestowed on it by shem, (Identical in their traditions with Melichizedek) and the name Jireh () by Abraham after the Deliverance of ISSAC on mount Moriah and that Two-afterwords combined, less displeasure should be felt by Either of the Two saints at the Exclusive use of one"[27]

---

25. تکوین ۱۴:۱۸ –

26. القدس، یوسف مسیح

27. عطار ،احمد عبدالغفور ،عرو به فلسطين والقدس، بيروت 1974م ،ص ۲۸ -۲۹

28. Dr. William Smith, Dictionary of the Bible, Hurd and houghton Cambridge University

مفہوم عبارت یہ کہ اس لفظ کے ماخذ اور اس کی اہمیت میں ذمہ دار عہدیداران میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیوں کے نزدیک کہ شالیم جو کہ یروشلم کا لاحقہ ہے یہ شیم کی طرف منسوب ہے (ان کے رسوم و رواج میں معروف ملکی صادق) ، یعنی یہ نام ملکی صادق کی حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہے کوہ موریا پر حضرت اِسحاقؑ کی ولادت کے Jirchطرف جبکہ یروشلم میں مستعمل سابقہ یروو بعد پس ان دونوں کو تطبیق دینے سے لفظ یروشلم وجود میں آگیا ، یعنی یہ مرکب لفظ دو نسبتوں کو ظاہر کرتا ہے، ایک ملکی صادق کی اور دوسری حضرت ابراہیم کی۔

برکت مسیح اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

یروشلم عبرانی لفظ ہے جس کا مطلب جائے امن ، یا دارالامان ہے۔۔ ایک مورخ نے اس کو یری شیلم (بلا تشدید لام) اور شلم بھی لکھا ہے۔ عبرانی میں " یری" کا مطلب تدبیر اور شلیم جو کہ سالم کا مشتق ہے۔ سلامت ہے پس یروشلم کا مطلب "دارالامان" یعنی امن و سلامتی کی جگہ ہے [28]

برل ڈکشنری کا مقالہ نگار اس کی یوں تعبیر کرتا ہے:

"The name of the city can be traced back to city of God Salim, a nam e containing the semictic root of the word for "Peace" in Arabic Salaam and in Hebrew Shalom, Thus Jerusalem has often been designated the "City of Peace ."[29]

مفہوم عبارت یہ ہے کہ شہر کے نام کو دیوتا سالیم میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ایک ایسا نام جو سامی بنیاد رکھتا ہے جس کو عربی میں سلام اور عبرانی میں "شالم "کہتے ہیں۔پس یروشلم کے معانی اکثر " شہر امن کے متعین ہوتے ہیں۔

ممتاز لیاقت صاحب انتہائی جامع تبصرہ فرماتے ہیں:

"یروشلم کا نام حضرت داؤد کے عہد میں اختیار کیا گیا، لیکن یہودی ربیوں نے حضرت ابراہیم سے منسوب کرنے کے لیے یہ کہا کہ آپ نے اُسے جریح (Jereh) کہا تھا اور شلم کا اضافہ فیلم یا شائیم نے کیا جو ۲۰۰۸ ق م میں یہاں حکمران تھا۔"[30]

برکت مسیح کے موقف میں یہی دعوئ شامل تھا کہ یروشلم حضرت ابراہیم اور ملکی صادق کا تجویز کردہ نام ہے نیز برل ڈکشنری آف ریلیجین نے

بھی یہی تاویل کی، حالانکہ یہ نام تو داؤد کے زمانہ میں وجود پذیر ہوا، چنانچہ ممتاز لیاقت اس کی کئی دوسری تسمیہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

---

29. القدس، برکت مسیح، ص۸۔

30. Rober BARR, The Brill Dictionary of Religion LEiden Bosten 2006, 1007/2

31. تاریخ بیت المقدس، ص

"ایک یورپی مورخ اس کے معانی اساس امن کے قرار دیتا ہے، جبکہ رینالد اور ایوالڈ کا کہنا ہے کہ وہ عبرانی الفاظ یروشلم کا مرکب ہے۔ جس کے معنی " ورثہ امن "Inheritance of Peace" کے ہیں۔ بعض اسے سمتی الفاظ یوری (URI) (بمعنی شہر) اور سلیم "Salim" دیوتائے امن کا نام کا مرکب قرار دیتے ہیں یہ مختلف نام یہود کے ہاں مروج رہے "۔[31]

اس لفظ کی یہود کے ہاں مختصر تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے یروشلم سامی نام ہے، جس کے معنی سلامتی کے شہر کے ہیں۔عبرانی بائبل میں اس کا سب سے پہلے استعمال (یوشع ۱۰:۱- ۸) میں ہوا ہے۔پوری کی پوری بائبل میں یہ لفظ ۴۰۰ مرتبہ درج ہے۔ لغت کی مشہور کتابوں میں اسے یوں بیان کیا گیا۔

1. صاحب معجم البلدان کی رائے :

یا قوت حموی اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

اورشليم بالضم ثم السكون وكرائرا ويا ساكنة وشين مجمعة مفتوحية ولام مكسورة ويروى بالفتح وميم هو اسم بيت المقدس بالعبرانيه ..[32]

شیخ عطار یا قوت حموی کے نقطہ نظر کو یعنی اس کی لغوی و معنوی ترکیب نقل کرتے ہیں۔

مفہوم یہ ہے کہ اور شیلم پر پہلے پیش پھر جزم پھر را کے نیچے زیر یعنی را مسکورہ اور یا ساکنہ ش اور لام پر زبر اور اسے مفتوحاً روایت کیا گیا یہ نام ہے بیت المقدس کا عبرانی میں۔

2. صاحب القاموس کی رائے :

شیخ عطار فیروز الدین آبادی کے حوالے سے اس کی لغوی ترکیب اور اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں:

ان شلم (تشدید الام وفتحها) وشلم (مثل جبل) وشلم (مثل كتف) اسم بيت المقدس".[33]

بے شک اس کو تشدید سے ادا کرنا جیسے شلم اور جیسے شلم کو بلند کرنا اور وشلم کو گرا کر پڑھنا، یہ بیت المقدس کا نام ہے یعنی ان مخارج سے لفظ یروشلم مشتق ہے۔

پس درج کردہ اقوال کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یروشلم کے معنی "شہر امن کے ہیں، یہ عربی لفظ سلم سے ماخوذ ہے، نیز اس کے لیے معانی خاص کا تعین مشکل امر ہے کیونکہ اس کی کئی تو جیہات موجود ہیں۔

3. ایلیا کیپوٹو لینا:

بیت المقدس کے ناموں کی ہیئت بدلنے میں جہاں وہاں کے باسیوں کا کردار ہے، وہیں بیرونی حملہ آوروں کا بھی بہت حصہ ہے، چنانچہ ان حملہ آوروں (Invaders) میں قیصر ہادریان ۳۰ ام شامل ہے، یہود کی بغاوت کو کچلنے کے بعد اس رومی حکمران نے شہر کا نام بھی بدل دیا۔اب شہر کا نیا نام ایلیاء کیپوٹو لینا قرار پایا۔ڈاکٹر محمد افضل اقبال اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

---

32. تاریخ بیت المقدس، ص۲۱

33. عروبۃ فلسطین والقدس، ص۳۳-

34. عروبۃ فلسطین والقدس، ص۳۳-

"Julius Hedrian completly smashed the rest of the city and built a temple for Jupiter on the site of Solomons temple and placed a statue of Jupiter in it. He changed the name of Jerusalem into Jolia capitolna in A.D 130[34]"

قیصر ہائیڈریان نے شہر کے سکون کو مکمل تباہ کر دیا اور اس نے ہیکل سلیمانی کی جگہ زیوس Zeus کے لیے معبد تعمیر کروایا اور اس نے زیوس کا مجسمہ اس میں رکھوایا، ساتھ ہی اس نے شہر یروشلم کا نام تبدیل کر کے جولیا کی پوٹو لینا کو دیا۔ ایلیاء کیپوٹو لینا سے آخر کیا نسبت ظاہر ہوتی ہے؟ شیخ عطار اس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

وان كان في عهد الرومان محى الاسم والمدينة نفسها ليحل محلهما اسم جديد ومدينة حديثه، فقد بنى الرومان في مكان القدس القديمة مدينة جديدة أطلقوا عليها اسم "ايلياء كا بتو لينا اى ايليا الأكبر. ..[35]

مفہوم عبارت یہ ہے کہ اگر رومی عہد میں شہر بشمول نام کے زندہ رہا تو نئی حالت میں پس رومیوں نے شہر القدس کی پرانی جگہ نیا شہر آباد کیا۔ اس پر ایلیاء کیپوٹو لینا کا نام جاری کیا، جس کے معانی ایلیاء اکبر کے ہیں۔ پس واضح ہوا کہ بیت المقدس کے اسماء میں وقوع پذیر تدریجی ارتقاء اسے یبوس سے ایلیاء کیپوٹو لینا تک لے آیا۔

4. ایلیاء:

بالاخر ایلیاء کا بتولینا سے بگڑتے بگڑتے خالی ایلیاء باقی رہ گیا اس کے بارے میں کیا اقوال ملتے ہیں، ایک جائزہ لیتے ہیں کئی ضعیف قسم کی روایات اس بارے میں ملتی ہیں ، جیسے کعب کی سند سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقدس شہر کا نام ایلیاء اس لیے ہوا کہ اسے ایک عورت ایلیاء نے آباد کیا تھا۔ ایک اور جگہ لکھا ہے ایلیاء کے معنی بیت اللہ کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی نقل ہے کہ یہ اپنے بانی ایلیاء کے نام پر ہے جو روم بن سام بن نوح کا بیٹا تھا اور دمشق حمس اور فلسطین اس کے بھائیوں کے نام تھے ہے[36]

قرین قیاس یوں لگتا ہے کہ ایلیاء کے معنی خدا کا گھر کے ہی موزوں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ "ایل" کے عبرانی میں معنی خدا کے ہیں۔

جیسے اسرائیل دو الفاظ کا مرکب "اسرا ایل اسرا کے معنی بندہ اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ مزید حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب عبارت ایلی ایلی لما شبقتنی" یعنی اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، میں لفظ ایلی کے معنی خدا کے ہیں۔ القدس کا یہ نام مسلمانوں کے شہر فتح کرنے تک مصروف رہا ہے، بلکہ حضرت عمر فاروق نے جو اہل شہر کو امان دی تھی اس میں با قاعدہ یہ الفاظ درج ہیں، جس میں شہر کا نام ایلیاء درج ہے، چنانچہ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر کو بیت المقدس آنے کی پوپ کی دعوت دی تو خط کے نفس مضمون میں بیت المقدس کا نام بھی ایلیاء درج تھا۔

35. Afzal Iqbal, Dr, Jerusalem The key to the World Peace, Islamic Council of Europe, pe, 1980, P-172

36. عروبۃ فلسطین، ص ۳۲ -

37. تاریخ بیت المقدس، ص ۲۱

از طرف ابو عبیدہ عامر بن جراح عامل شام امام بعد اسلام علیک فانی احمد اللہ الذی لا الہ الا ھو و اصلی علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا امیر المومنین! جناب کو واضح ہو کہ ہم نے شہر ایلیاء کو اپنے محاصرہ میں لے رکھا ہے۔ اہلیان شہر سے لڑتے ہوئے ہمیں چار ماہ ہو گئے ہیں۔[37]

پس یہ شواہد بیت المقدس کے مختلف اَسماء پر دلالت کرتے ہیں، دراصل ہر ایک نام اپنے اندر ایک تاریخی حقیقت چھپائے ہوئے ہے، جو اس شہر کی تاریخی اہمیت کو جتلاتا ہے، نیز اس مقدس خطہ پر گزرے تاریخی وقت کا اندازہ بھی اس شہر کے اسمی تنوع کا باعث بنا۔

درج ذیل نکات ہمارے اس مضمون کی تلخیص کرتے ہیں۔

1۔ خطہ شام کئی اَسماء سے موسوم رہا ہے، جو جغرافیائی، قومی اور مذہبی تناظر میں وجود میں آئے۔

2۔ سب سے مستند اسم بیت القدس اور ارض مقدس ہیں جو کہ مسجد اقصیٰ کی وجہ سے شہر کو بطور لقب ملے۔

3۔ یروشلم سب سے قدیم اور دور حاضر میں بھی ایک معروف مستعمل نام ہے۔

4۔ قبائلی نسبت سے ایک نام یبوس بھی رہا جو قوم یبوس کی وجہ سے موسوم ہوا۔

5۔ عہد نامہ قدیم وجدید میں اسے صیہون کے نام سے پکارا گیا ہے، جس کے معنی ہے خداوند کا پہاڑ۔

6۔ لفظِ "ایل" ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنی خدا کے ہیں اسی نسبت سے اسے "ایلیا" بھی کہا گیا۔

7۔ ایلیا کیپوٹولینا ایک تاریخی نام رہا ہے جو اہل روم کی اس شہر پر قبضہ کے بعد اسے دیا گیا۔

8۔ یہ مقدس خطہ اپنی جغرافیائی و دینی اہمیت کے پیش نظر ادیان سماوی کے متبعین کے نزدیک بہت اہم گردانا جاتا ہے۔

9۔ یہ اسمی تنوع مختلف لسانی اہمیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔

10۔ اسمی و اماکنی تحقیق کے ساتھ ساتھ اس موضوع کی دینی اہمیت بھی اجاگر ہو گئی۔

کتابیات

1۔ القرآن الکریم۔

2۔ ابن جریر، طبری، جامع البیان، دار احیاء التراث، بیروت، لبنان 1998م

3۔ واقدی، محمد بن عمر، فتوح الشام، مترجم حکیم شبیر احمد انصاری، مکتبہ الخلیل یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، نومبر ۲۰۱۰ء

4۔ کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انار کلی، س، ن

38. واقدی، محمد بن عمر، فتوح الشام، مترجم حکیم شبیر احمد انصاری، مکتبہ الخلیل یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، نومبر ۲۰۱۰ء ص ۳۴۵

5۔ برکت مسیح، ریٹائر بریگیڈئر، یروشیلم، فاطمہ پرنٹگ پریس ٹیمپل روڈ لاہور، 2008م۔

6۔ حقانی، عبد الحق، فتح المنان، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، لاہور س، ن

7۔ محمد طیب، قاری، مقامات مقدسہ اور اسلام کا، اجتماعی نظام، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، نومبر 1999م۔

8۔ عبد القدیر، منشی، بیت المقدس، حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی، انڈیا، س ن۔

9۔ ممتاز لیاقت، تاریخ بیت المقدس، سنگ میل پبلشرز، لاہور، ۲۰۲۲

- Dr. William Smith, Dictionary of the Bible, Hurd and houghton Cambridge University
-Rober BARR, The Brill Dictionary of Religion LEiden Bosten 2006-12

Afzal Iqbal, Dr, Jerusalem The key to the World Peace, Islamic Council of Europe13